افادات مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

تلخیص و ترتیب : عتیق الرحمن سنبھلی

تعلیماتِ غزالیؒ کے انقلابی اثرات

ہمارے راہ گزر کوں کہ دیا یک مرد تو درانگا ہے

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے احیاء العلوم وغیرہ کی تصنیف سے آخرت طلبی کا جو صور پھونکا تھا، اور جس بری طرح عالم اسلامی کو اس کے اندرونی اضمحلال کے خلاف جھنجھوڑا تھا۔ اس کے کیا اثرات ہوئے ؟ مولانا گیلانیؒ نے تاریخ کی روشنی میں ان اثرات کی جستجو کی ہے۔ اور سب سے پہلے ایوان خلافت و وزارت پر نگاہ ڈالی ہے، کہ یہاں کے نقشے میں بھی امام کی اس چیخ و پکار کے بعد کوئی تغیر نظر آتا ہے یا نہیں۔؟

مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو سنہ ۴۵۰ھ جو امام کا سن ولادت اور خلیفہ مقتدر باللہ العباسی کا دورِ خلافت ہے۔ اس میں شاہانہ کر و فر اور اظہار شان و ثروت کا یہ عالم تھا کہ قسطنطنیہ سے رومیوں کی جو سفارت قیدیوں کے تبادلے اور صلح کی گفتگو کے لئے بغداد آئی تھی، مقتدر باللہ سے ملنے کے لئے جب اس کے ارکان دار الخلافہ کی طرف روانہ ہوئے تو

-------- پہلے اس حاجب (عرض بیگی) کے محل کے سامنے پہنچے جس کا نام قصر الفشوری تھا، حاجب کے محل کی شان و شوکت دیکھ کر سفراء کچھ اس درجہ مبہوت ہوئے کہ اسی محل کو انہوں نے سمجھا کہ خلیفہ کا مکان ہے۔ ان کی غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا، وہ آگے بڑھے، سامنے وزیر کا قصر نظر آیا۔ ان کو پھر یہی خیال ہوا کہ وہ نہیں تو ضرور یہی خلیفہ کا مستقر ہے، مگر کہا گیا کہ یہ وزیر کا گھر ہے، وہ آگے روانہ ہوئے ان لوگوں کو اس طریقے سے دار الخلافہ میں داخل کیا گیا کہ چاروں طرف پہلے وہ گھوم لیں۔ حالت یہ تھی کہ دار الخلافہ کے اطراف و جوانب اس کے مختلف ابواب اور مقامات پر ۳۸ ہزار پردے پڑے ہوئے تھے، جن میں بارہ ہزار پانچ سو پردے تو خالص مزاکش دیبا اور حریر کے تھے۔ درمیان میں جو فرش فروش بچھائے گئے تھے ان کی تعداد بائیس ہزار تھی۔ دار الخلافہ کے احاطہ میں (جو خود ایک مستقل دنیا کی حیثیت رکھتا تھا۔) مختلف مقامات میں جنگلی جانوروں کی قطاریں بکھری ہوئی تھیں۔ جو لوگوں سے مانوس تھے۔۔۔

مختلف قسم کے درندے (شیر، بھیڑیا، وغیرہ) بھی زنجیروں میں بندھے ہوتے اپنے اپنے نگہبانوں کے ساتھ کھڑے تھے۔

سفارت والوں کو پھر اس کوٹھی میں لے جایا گیا جس کا نام "دار الشجرہ" (درخت والا محل) تھا۔ اس کے احاطہ میں ایک طویل و عریض تالاب تھا، جن میں صاف و شفاف پانی ہر وقت چھلکتا رہتا تھا، تالاب کے وسط میں ایک چبوترے پر ایک درخت تھا۔ یہ مصنوعی درخت تھا جس میں بڑی بڑی بارہ ڈالیاں اور ہر ڈالی میں بیشمار شاخیں اور ٹہنیاں تھیں۔ ان شاخوں پر مختلف قسم کے پرندے اور چڑیاں طلاء اور نقرہ (سونے اور چاندی) سے ڈھال ڈھال کر بنائی گئی تھیں، اور یہی حال اس درخت کی شاخوں اور ٹہنیوں کا تھا، یعنی ان میں بعض سونے سے بنائی گئی تھیں اور بعض چاندی سے ----

" دار الشجرہ " کے بعد سفیروں کو اس محل میں لوگوں نے پہنچایا جس کا نام " الفردوس " تھا۔ اس قصر میں فرش فروش اور ظروف و آلات کی جو کثرت تھی ان کا شمار مشکل ہے، صرف اسکی دہلیز دل پر طلائی کڑیوں سے بنی ہوئی دس ہزار زرہیں لٹک رہی تھیں، اس کے بعد آبنوسی جڑاؤ تخت پر سفراء نے مقتدر باللہ کو جلوہ افروز پایا جس پر زریں جھالروں کی کارچوبی مخملی مسند بچھی ہوئی تھی۔ تخت کے داہنی جانب اور بائیں جانب بھی خاص سلیقہ سے مختلف جواہر کے بنے ہوئے جاے کے نو نو عدد لٹکے ہوئے تھے، جن کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ دن کی روشنی کو بھی ان کی روشنی مات کر رہی تھی۔

انقلاب | لیکن اسی مسند خلافت پر امام غزالیؒ کی وفات کے پچیسویں سال المقتفی باللہ کا لقب اختیار کرکے جو شخص آتا ہے، اس کے متعلق تاریخ بتاتی ہے کہ اس نے آتے ہی دار الخلافۃ کا نقشہ یوں بدل دیا کہ:

" دار الخلافہ بغداد کا اپنے سارے فرش و فروش، خیمہ و خرگاہ، پردے و سراپردے دواب چوپائے اور دوسرے جانوروں سے بالکلیہ تخلیہ ہوگیا صرف چار گھوڑے اور دار الخلافت میں پانی پہنچانے کے لئے کل آٹھ خچر اصطبل میں باقی تھے۔"

" خلیفہ منتخب ہونے سے پہلے اس کا زیادہ وقت دینی مشاغل میں صرف ہوتا تھا، دینی علوم کی کتابیں لکھتا رہتا تھا، یا قرآن کی تلاوت کرتا رہتا تھا، پھر جب خلیفہ منتخب ہوا تو زہد و عبادت و تقوٰی و طہارت کی خصوصیتوں میں اس کے کسی قسم کی کمی نہ ہوئی ------ عدل و انصاف کے چمن میں پھر بہار اس کے عہد میں آئی نیکی کے ابواب پھر کھل پڑے۔

اسی کے ساتھ ساتھ

مقتفی کے زمانہ میں بغداد اور عراق پھر خلیفہ کے قبضۂ اقتدار میں واپس ہوا، ورنہ مقتدر باللہ کے زمانہ سے صورت حال یہ ہوگئی تھی کہ خلیفہ کا صرف نام تھا اور حکومت ان سلاطین اور ملوک کی قائم تھی جنہوں نے جبراً خلیفہ کو اپنا تابع فرمان بنالیا تھا۔

مولانا گیلانی فرماتے ہیں : اور بات صرف مقتفی ہی کی حد تک اگر محدود ہوتی تو استثناء اور شذوذ کے دعوے کی گنجائش بھی پیدا ہوسکتی تھی (مگر) واقعہ یہ ہے کہ امام غزالیؒ کے بعد پے در پے پچاس ساٹھ برس کا زمانہ بغداد کی خلافت پر ایسا گزرا ہے کہ اسی خلافت کی گدی پر بیٹھنے والوں کے پہلو کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان پھلوں میں غیر معمولی انقلابی رنگ کیسے پیدا ہو گیا تھا، مقتفی کا حال تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں، مقتفی کے بعد اسی کا بیٹا یوسف، مستنجد باللہ کے نام سے تخت خلافت پر امام غزالیؒ کی وفات کے ٹھیک پچاس سال بعد متمکن ہوا۔ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے :

مستنجد عدل اور نرم مزاجی کی خصوصیتوں سے موصوف تھا۔ سارے عراق سے ناجائز محصولوں کو اس نے اٹھا دیا تھا۔

(اور) ابن اثیر کا فیصلہ تو اسی مستنجد کے متعلق یہ ہے کہ :

کان احسن الخلفاء سیرۃً مع الرعیۃ۔ (ص۱۳۵ ج ۱۱)	عباسی خلفاء میں رعیت کے ساتھ بہترین سلوک کرنے میں مستنجد بہت اچھا خلیفہ تھا۔

مستنجد کے بعد اس کا بیٹا حسن المستضئ باللہ کے نام سے سریر آرائے خلافت ہوا۔ اس سے بڑھ کر المستضئ کے متعلق شہادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ ابن جوزی جیسے بگڑے دل آدمی جو دوسروں پر جرح و تنقید کرنے میں تاریخی شہرت کے مالک ہیں، بخاری تک کے رواۃ پر نکتہ چینی سے ابن جوزی نہیں چوکتے۔ مستضئ کو انہوں نے خود دیکھا تھا اور بہت قریب سے دیکھا تھا، ان کی مجلس وعظ میں اکثر شریک بھی ہوتا تھا، بہر حال منتظم میں اپنی چشم دید گواہی ابن جوزی ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔

اظہر من العدل والکرم مالم نرہ فی اعمارنا۔ (ص۲۵۰ ج ۱۰)	عدل و کرم کا اظہار المستضئ نے جس پیمانے پر کیا ہم لوگوں نے ساری زندگی میں اسکی نظیر نہیں دیکھی۔

ابن اثیر نے (اسی کا حال لکھتے ہوئے) آخر میں مشہور عربی فقرہ (لکھا ہے)

فعاش حمیداً ومات سعیداً رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (ص۱۷۳ ج ۱۱)	پس بڑی ہر دلعزیزی کے ساتھ اس نے زندگی بھی گزاری اور وفات بھی اس کی سعادت کے حالات کے ساتھ ہوئی۔

ایک عربی شعر بھی ابن اثیر نے مستضی کے ذکر کو ختم کرتے ہوئے درج کیا ہے ۔

کان ایامہ من حسن سیرتہ   مواسم الحج والاعیاد والجمع

یعنی اپنی سیرت وکردار سے مستضی نے ایک ایسا حال پیدا کر دیا تھا کہ اس کی حکومت کا زمانہ گویا حج، عید اور جمعہ کے دن تھے، یعنی ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات کی کیفیت تھی۔

حالانکہ یہی بغداد تھا، ذرا غزالی سے پہلے بلکہ خود ان کے عہد کے حالات کتابوں میں پڑھیئے، عیاروں اور طراروں، لصوص یعنی چوروں اور بٹ ماروں کے دھاوے صبح وشام ہوتے رہتے تھے۔ دینی اور آئینی زندگی سے گریز کا رجحان روز بروز عباسی خلفاء میں بڑھتا چلا جارہا تھا یہ اس کا لازمی نتیجہ تھا، جیسا کہ میں نے لکھا بھی ہے، اور لوگوں کو معلوم بھی ہے کہ ممالک عباسیہ کے مختلف جہات واقطار میں ملوک وسلاطین کے زورآور بننے میں خلفاء کی ان ہی کمزوریوں نے امداد بہم پہنچائی تھی۔

کیا یہ انقلاب بے سبب تھا | لیکن اچانک غزالیؒ کے بعد ذمہ داری کا یہ احساس ان ہی خلفاء میں کیسے بیدار ہوگیا۔ اور امن وامان کا جو قصہ بغداد کی سرزمین کے لئے افسانہ بن چکا تھا، اسی بغداد کو عید کے ان دنوں اور شبِ برات کی ان راتوں میں سانس لینے کا موقع جب ملا تو لوگوں نے اس انقلاب کے سبب کو کیوں نہ تلاش کیا۔؟

سچی بات، تو یہ ہے کہ یہی ملوک وسلاطین جن کو عباسی خلفاء کی کمزوریوں نے زور حاصل کرنے کا موقع عطا کیا تھا خود اُن کی حالت بھی غزالی کے بعد اور غزالی سے پہلے اتنی مختلف ہوگئی ہے کہ اسی اختلاف کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

ان ملوک وسلاطین کی حالت پہلے سے کس درجہ مختلف ہوگئی تھی، اس کا اندازہ کرانے کے لئے مولانا نے پچھلی تاریخ کے کچھ ورق اُلٹے ہیں، جن میں اسراف وفضول خرچی اور عشرت پسندی کے وہ نمونے نظر آتے ہیں کہ شاید تخیل کی رسائی بھی ان واقعات سے آگے ہونی مشکل ہے۔ اس کے مقابلہ میں مولانا کہتے ہیں کہ ذرا غزالی کے ۴۰ سال بعد دیکھو اسی بغدادی خلافت کا ایک متوسل سلطان نورالدین زنگی کے نام سے نظر آتا ہے۔ طویل وعریض زرخیز علاقے اس کے زیرِ نگین ہیں۔ شوکت کا یہ عالم ہے کہ حرمین اور یمن تک میں اس کا نام خلیفہ کے نام کے ساتھ خطبوں میں پڑھا جاتا ہے۔ لیکن زندگی کا ڈھنگ یہ ہے کہ :

"شام کے شہر حمص میں تین دوکانیں تھیں (جنہیں نورالدین زنگی نے مالِ غنیمت کے حصہ سے خریدا تھا) ان ہی تینوں دوکانوں کے کرایہ کی آمدنی ملکہ کے لئے نورالدین نے مختص کردی تھی۔ سالانہ کل بیس دینار اس ذریعہ سے ملکہ کو ملتے تھے۔"

(ابن اثیر)

ملکہ نے نورالدین سے تنگی کی شکایت کرتے ہوئے اس مشاہرہ میں اضافہ چاہا۔ جواب میں نورالدین نے کہا:

"میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ باقی میرے قبضہ میں حکومت کی جو آمدنی ہے سو اس میں مسلمانوں کا میں صرف خزانچی ہوں۔ میں اس مال میں خیانت کر کے جہنم کی آگ میں تمہارے لئے گھس نہیں سکتا۔"

اس وسیع و عریض سلطنت کے مالک سلطان نے اپنی پوری آخری بیماری اس چھوٹی سی کوٹھری میں گزار دی جس میں وہ عبادت کے لئے خلوت اختیار کیا کرتا تھا۔ اور بالآخر اسی میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

مولانا فرماتے ہیں:

"اور ایک نورالدین ہی کیا، اسی کا شاہزادہ اسماعیل جو باپ کے بعد حلب کا حکمران تھا۔ کل ۱۹ سال کی عمر میں اس بے چارہ کی تولنج کے مرض سے وفات ہوئی۔ میں تو دنگ ہو کر رہ گیا، جب مورخین کی کتابوں میں یہ واقعہ پڑھا کہ عین ریعان شباب میں حکومت کی باگ حالانکہ اس کے ہاتھ میں آئی تھی، لیکن وہی شراب جس سے ملوک و سلاطین امراء و اعیان تو خیر، سچی بات تو یہ ہے کہ متوکل جیسے متعصب دیندار بادشاہوں تک کی مجلس نشاط جس کے دور سے خالی نہ ہوتی تھی، لیکن شاہزادہ اسماعیل جب تولنج میں مبتلا ہوا تو اطبا نے یہ طبی تجویز پیش کی کہ تھوڑی سی شراب استعمال کیجئے۔ مرض کا ازالہ ہو جائے گا۔ اطبا ر اصرار کر رہے تھے، مگر نوجوان شاہزادہ نے کہا:-

لا افعل حتّٰی أسئل الفقهاء — میں فقہا سے جب تک نہ پوچھ لوں گا یہ نہ کروں گا۔

آخر فقہاء بلائے گئے۔ شافعی مذہب کے علماء نے بالاتفاق جواز کا فتویٰ دیا۔ اس نے حنفی فقہاء کو خطاب کیا، آپ لوگ کیا فرماتے ہیں۔ لکھا ہے کہ صاحب بدائع علامہ ابوبکر کاسانی مشہور حنفی امام نے بھی کہا کہ جس حال میں آپ ہیں شرعاً شراب کا استعمال آپ کے لئے جائز ہے[1] مگر اس پوچھ گچھ کے بعد جو بجائے خود اس عہد کے ایک شہزادے اور وہ بھی نوجوان شہزادے سے کچھ کم اعجوبہ خیز نہیں ہے۔ سننے کی بات یہ ہے کہ شافعی و حنفی علماء کے ان فتوؤں کے باوجود شاہزادے نے پوچھا کہ:

"میری موت کی مقررہ مدت اگر آچکی ہے تو شراب پینے سے کیا وہ ٹل جائے گی۔"

---

[1] اصل یہ ہے کہ جب ملک بدل مل سکتا ہے، امام ابوحنیفہ شرعی محرمات کا دوائی استعمال بھی جائز نہیں سمجھتے۔ مگر ان کے سوا عام ائمہ فقہا حتیٰ کہ خود امام صاحب کے تلامذہ بھی دوائی استعمال کی اجازت دیتے ہیں۔ خواہ بدل سے علاج ممکن ہو یا نہ ہو۔ (منہ)

اس کا جواب جو ہو سکتا ہے وہی دیا گیا۔ یعنی قرآن جس چیز کو مؤجل قرار دے چکا ہے، جس میں گھڑی بھر کے لئے بھی تقدیم و تاخیر کا کسی کو اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ بھلا دوا اور علاج سے اس کو کون ٹال سکتا ہے۔

شاہزادے نے اس جواب کو سن کر جو کہا حوصلہ کی بلندی، ایمانی برد و سکینیت کی یہ کتنی اثر انگیز و عجیب و غریب مثال ہے، اس نے علماء کو خطاب کرتے ہوئے اپنے دل کی بات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

ایسی چیز جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسے استعمال کر کے خدا کی قسم میں اللہ سے ملاقات نہیں کروں گا۔

(شذور ص ۲۵ ج ۴)

مؤرخین نے لکھا ہے:

مات ولم یشربہ رحمہ اللہ تعالیٰ	شاہزادہ اسماعیل مرگیا اور شراب نہیں استعمال کی۔ خدا کی رحمت ان پر نازل ہو۔

سلطان صلاح الدین ایوبی پر تعلیمات غزالیہ کا اثر۔	سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد صلیبی حروب کی قیادت جس عالمگیر شہرت رکھنے والے بادشاہ صلاح الدین ایوبیؒ کے حصے میں آئی

مولانا فرماتے ہیں کہ ذرا اس کے حالات بھی دیکھئے کہ کس قدر حیرت انگیز ہیں۔

امام غزالیؒ کی وفات کے ستائیس سال بعد امام صلاح الدین کی ولادت ہوئی۔ اُن کی مجاہدانہ زندگی سے تو خیر دنیا واقف ہے، میں اس وقت یہ ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ اتنی عظیم سلطنت کے تاجدار ہونے کے باوجود ذاتی حال اس سلطان کا یہ تھا کہ وفات کے بعد اُن کے ذاتی خزانے کا جب جائزہ لیا گیا تو:

ما خرج غیر دینار صوری واربعین درھما ناصریۃ	ایک صوری اشرفی اور چالیس ناصریہ درہم کے سوا اور کچھ نہ نکلا۔[1]

(ابن اثیر ج ۱۲ ص ۲۸)

ایک طرف (امام غزالی ہی کی صدی کا کچھ پیشتر کا) عضدالدولہ تھا جو چاہتا تھا کہ روزانہ اس کے خزانہ میں دس لاکھ درہم جب تک داخل نہ ہوں گے دم نہ لے گا، دوسری طرف صلاح الدین کا یہ حال ہے کہ اپنے خزانے میں کچھ نہ چھوڑوں گا ـــــــ بقول ابن اثیر فاطمیوں کے مصری خزانہ کا صلاح الدین تنہا وارث ہوا تھا، مگر ان ہی کی شہادت

---

[1] ابن اثیر نے تو صرف درہم و دینار کے متعلق لکھا ہے۔ مؤرخ ابوالفدا جو اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ لم یخلف عقاداً ولا داراً۔ سلطان نے کوئی غیر منقولہ جائداد زمین وغیرہ کی شکل میں چھوڑی نہ کوئی ذاتی مکان چھوڑا۔

ہے کہ :

ففرقہ جمیعًا۔ (ج ۱۲ صفحہ ۳) سلطان نے سارا خزانہ تقسیم کر دیا۔

یا ایک وہ کیفیت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھنے والے خطباء اور علماء تک بھی غیر شرعی لباس سے پرہیز نہ کرتے تھے، علماء دین کے نچروں تک کے گلوں میں طلائی طوق پڑے رہتے تھے۔ یا ایک حال صلاح الدین کا تھا کہ :

لم یلبس شیئًا مما ینکرہ الشرع ۔ ایسی کوئی چیز کبھی نہ پہنی جسے شریعت نے ناجائز ٹھہرایا ہو۔

مولانا فرماتے ہیں کہ :

آخر آپ ہی بتائیے کہ بخت و اتفاق کے نیچے آدمی کہاں کہاں تک پناہ ڈھونڈے۔ اور مسلسل پیش آنے والے ان واقعات کی جو غزالی کے بعد اسلامی تاریخ میں ملتے ہیں کیا توجیہہ کرے —— یہ جو کچھ ذکر ہوا مشرقی اسلامی دنیا کے خلفاء و سلاطین کا تھا، لیکن جب مغربی دنیائے اسلام (اندلس اور مغربی افریقہ) کے دینی انقلاب میں —— جس کا امام غزالی کے بغداد سے ہزاروں میل کا فاصلہ تھا، لوگوں کو امام غزالی کا ہاتھ نظر آتا ہے (جیسا کہ ابن خلدون نے روایت بیان کی ہے کہ "محمد بن تومرت جو مغرب میں موحدین کی دینی حکومت کا حقیقی بانی تھا، امام غزالی ہی نے اس کو ایک ملاقات میں ایک طاقتور دینی سلطنت کے قیام پر آمادہ کیا تھا۔") اور ہم اس مغربی حکومت کا یہ رنگ دیکھتے ہیں کہ موحدین کا دوسرا بادشاہ جس کا نام یوسف بن عبدالمومن تھا، صحیح بخاری اس کو زبانی یاد تھی، جہاد کی حدیثیں خود املا کراتا تھا، ساری زندگی یورپ کے عیسائی سلاطین سے اسلامی علاقوں کو واپس لینے میں اس کی گزری۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یعقوب جانشین ہوا، جس کے متعلق الیافعی کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے :-

"شریعت کو پوری طاقت سے اس نے پکڑا تھا، معروف کا حکم دیتا تھا، منکرات کو اس نے روک دیا تھا۔ اس معاملہ میں بڑا دلیر تھا کسی جھجک کے بغیر وہ ان امور کو انجام دیتا تھا۔"

مغربی افریقہ کے سوا اندلس پر بھی اس نے دوبارہ اسلامی اقتدار قائم کر دیا تھا، بے تحاشہ دولت کا مالک تھا، مگر بایں ہمہ بالاتفاق مورخین کا بیان ہے کہ :

کان یلبس الصوف ویقف للمرأۃ والضعیف فیاخذ لھم حقھم من کل ظالم عنیف ۔ (الیافعی ج ۳ صفحہ ۴۶۲)

بال کے بنے ہوئے کپڑے استعمال کرتا (یعنی کمبل پوش تھا۔) معمولی عورت اور کسی غریب کمزور کے لئے بھی کھڑا ہوتا تھا، اور بڑے سے بڑے ہیکڑی دکھانے والے ظالموں سے حق دلا کر رہتا تھا۔

(جب مغربی سلاطین تک کے ان حالات میں لوگوں کو امام غزالی کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔) تو آخر میرے پاس اس تاثر کو بے بنیاد ٹھہرانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، جب مشرق کے ان خلفاء و سلاطین و ملوک کے ان حالات میں مجھے غزالی کی روح کارفرما نظر آتی ہے ——— واقعہ یہ ہے کہ غزالی کے بعد کے خلفاء ملوک و سلاطین کے ان طبقات میں غیر معمولی انقلاب کی جن موجوں کو ہم متلاطم پاتے ہیں ان کے متعلق اس بات کا ثابت کرنا تو مشکل ہے کہ براہ راست امام کے کارندوں نے ان لوگوں کو متاثر کیا تھا، بلکہ محمد بن تومرت کیساتھ بھی امام غزالی کے جن تعلقات کا لوگ تاریخوں میں تذکرہ جن الفاظ میں کرتے ہیں ان سے عام تاریخی یقین کا پیدا ہونا بھی دشوار ہے، اور ذکر بھی اس واقعہ کا اتنا سرسری طور پہ دوسرے واقعات کے ضمن میں کر دیا گیا ہے کہ عوام ہی نہیں خواص تک کو بھی اس کی خبر نہ پہنچ سکی، اس لئے مولانا فرماتے ہیں کہ میرا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ یہ نتائج عملاً امامؒ کی ارادی کوششوں سے وابستہ تھے بلکہ:

"کہنا صرف یہ ہے کہ غزالی کے دل سے ایک آواز نکلی تھی، ان کے سامنے یہ قطعاً نہ تھا کہ کس کو سنا رہے ہیں، خلفاء کو یا سلاطین کو، اُمراء کو یا وزراء کو عوام کو یا خواص کو، بس وہ صرف سنانا چاہتے تھے اور امید قائم کی ہوگی کہ سننے کی جس میں صلاحیت ہوگی اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس کو سنے گا۔ اور فائدہ اٹھائے گا۔ اور یہی واقعہ پیش آیا بھی۔"

خلفاء و سلاطین کے بعد وزراء | آپ کے سامنے ابتک تو آن خلفاء و ملوک ہی کی مثالیں گذری ہیں، جو یکے بعد دیگرے مشرق و مغرب میں غزالی کے بعد نمایاں ہوتے رہے، لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا غزالی کے سامنے کوئی خاص طبقہ نہ تھا۔ سارے مسلمانوں کے لئے ان کا خطاب عام تھا۔ پس اب ذرا خلافت و سلطنت کے بلند زینوں سے نیچے اتر کر بھی دیکھئے۔

وزیر ابن ہبیرہ | یہ اسی خلیفہ مقتفی باللہ کے وزیر ہیں جس کا تذکرہ گذر چکا ہے۔ امام غزالی کی وفات کے کل ۴۰ سال بعد خلافت عباسیہ کے وزیر اعظم کے عہدے پر سرفراز ہوتے ہیں۔ نام تو ان کا یحییٰ تھا، ہبیرہ جو اُن کے دادا تھے ان ہی کیطرف منسوب ہو کر ابن ہبیرہ کے نام سے مشہور ہوئے، بارگاہ خلافت سے جیسا کہ اس زمانہ میں عام دستور ہو گیا تھا، طویل و عریض القاب ارکان حکومت کے نام کے آگے پیچھے لگائے جاتے تھے، ابن ہبیرہ کو بھی

وزیر العالم، العادل، عون الدین، جلال الاسلام، صفی الامام، شرف الانام، معز الدولہ،
عماد الأمة، مصطفیٰ الخلافة، تاج الملوک والسلاطین، صدر الشرق والمغرب، سید الوزرا،

کا لمبا چوڑا خطاب ملا تھا، مگر جو حالات کتابوں میں اُن کے ملتے ہیں ان کو دیکھ کر یہی خیال گذرتا ہے کہ خود ابن ہبیرہ کے قلب میں نہ ان الفاظ کا کوئی وزن تھا اور نہ اس عہدے پر سرفرازی کے بعد آدمی جس جاہی و مالی اقتدار کا مالک ہو جاتا تھا اس اقتدار کی منفعت و قیمت بھی ان کی نگاہ میں پر پشہ سے زیادہ نہ تھی۔ ابن جوزی، ابن ہبیرہ

کے صرف دیکھنے والے ہی نہیں بلکہ اُن کے حلقۂ درس حدیث میں بیٹھنے والوں میں سے ایک ہیں، بڑی تفصیل سے عباسی خلافت کی اس عجیب وغریب شخصیت کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے۔ دو واقعے سننے کے لائق ہیں۔

(۱)

صحاح ستہ کی حدیثوں کی شرح میں انتہائی تدقیق وتحقیق سے الافصاح نامی ایک کتاب خود ابن ہبیرہ نے تصنیف کی تھی۔ اسی کا درس وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر سرفراز ہونے کے بعد ایک دن دے رہے تھے، مالکی مذہب کے ایک فقیہ نے خواہ مخواہ ایک مسئلہ میں الجھنا شروع کیا علماء کا حلقہ تھا ہر ایک فقیہ کو سمجھاتا تھا، فن کی معتبر کتابیں لا لاکر دکھلائی جارہی تھیں، مگر فقیہ کا اصرار اپنی بات پر جاری رہا۔۔۔ قدرتاً ابن ہبیرہ کو اس اصرار بے جا پر غصہ آگیا اور زبان سے بے ساختہ یہ فقرہ نکل گیا:

بهيمة أنت اما تسمع هؤلاء	تم نرے جانور ہو، کیا سن نہیں رہے ہو یہ تمام
يشهدون والكتب المصنفة	لوگ کس بات کی شہادت دے رہے ہیں، اور
وانت تنازع وتفرق المجلس۔	کتابوں سے کیا معلوم ہوتا ہے۔ مگر تم ہو کہ جھگڑتے
(شذرات ج ۴ ص ۱۹۳)	ہی چلے جارہے ہو، اور مجلس میں گڑبڑ پیدا کررہے ہو۔"

کہنے کو تو ابن ہبیرہ نے اس وقت اُن کو "جانور" کہہ دیا، لیکن اس کے بعد اُن کے شریف نفس میں ذمہ داری کا احساس جب بیدار ہوا تو پھر کس حال میں وہ مبتلا ہوئے۔؟ یہی سننے کی بات ہے۔

لکھا ہے کہ اس دن کی مجلس تو ختم ہوگئی لیکن دوسری مجلس میں جب لوگ جمع ہوئے اور قاری نے قرأت کرنی چاہی تو ابن ہبیرہ نے اس کو روک دیا اور مالکی فقیہ کی طرف خطاب کرکے کہنا شروع کیا کہ کل آپ کے اصرار بیجا نے خواہ مخواہ ایک ایسے لفظ کو میری زبان پر جاری کردیا کہ جب تک آپ اسی لفظ سے مجھ کو مخاطب نہ کرلیں گے درس شروع نہیں ہوسکتا۔ "آخر آپ کو "بہیمہ" (جانور) کہنے کا مجھے کیا حق تھا۔؟ میں اپنے اندر کوئی ترجیحی وجہ نہیں پاتا۔" ـــــ مجلس سناٹے میں آگئی خلافتِ عباسیہ کا وزیر اعظم الحاح واصرار کے ساتھ ایک معمولی مولوی کے سامنے قصور کا اعتراف کرکے یہ استدعا کررہا ہے کہ مجھے "بہیمہ" یعنی جانور آپ جب تک نہ کہہ لیں گے۔ میرے دل کو چین نہ ہوگا۔ بیان کیا گیا ہے کہ اہل مجلس پر رقت طاری ہوگئی۔ لوگ رونے لگے، مالکی فقیہ بھی حد سے زیادہ شرمندہ تھا۔ وزیر سے کہہ رہا تھا، کہ قصور تو میرا تھا۔ مجھے معذرت پیش کرنی چاہیئے، مگر ابن ہبیرہ چلّا چلّا کر القصاص! القصاص! (بدلہ! بدلہ) کے لفظ دہراتے چلے جاتے تھے۔

آخر چند لوگ آگے بڑھے اور عرض کیا کہ ہم لوگوں کی رائے ہے کہ مالکی فقیہ کو آپ مالی شکل میں کچھ معاوضہ ادا کردیں، مگر فقیہ کو اس سے بھی انکار تھا، بہت سمجھانے بجھانے پر بیچارہ سو اشرفیوں کے لینے پر آمادہ ہوگیا، اور بول

بات رفع دفع ہوئی۔

(۲)

طالب العلمی کے زمانہ میں ایک دن سڑک پر چلے جا رہے تھے پھٹے حال تھے، ایک سپاہی نے پھل کا ایک ٹوکرا اٹھانے کا حکم دیا۔ اور انکار کرنے پر ایک تھپیڑ اس زور سے رسید کیا کہ ابن ہبیرہ کی داہنی آنکھ کی روشنی جاتی رہی۔ لیکن زندگی بھر اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔ اتفاقاً وزارتِ عظمٰی کے زمانہ میں بجرم قتل وہی شخص گرفتار ہو کر ابن ہبیرہ کے سامنے لایا گیا، انہوں نے خون بہا ادا کر کے مدعیوں کو روانہ کر دیا۔ اور اس کو بھی پچاس اشرفیاں دے کر رخصت کیا، لوگوں نے اس غیر معمولی سلوک کی وجہ پوچھی، تب کہا کہ میری داہنی آنکھ کی روشنی جو غائب ہے۔ اس کا علم غالباً آپ لوگوں کو نہ ہوگا ——— قتل کے اسی مجرم کا یہ کرتوت ہے۔ پھر قصہ سنایا، اور آخر میں بولے کہ بدی کا بدلہ نیکی سے دینا چاہیئے، اس پر عمل کرنے کے لئے دل بے چین ہو گیا، اسی لئے اس کے ساتھ میں نے یہ خصوصی برتاؤ کیا۔

قاضی فاضل غزالی کے بعد وزراء کے طبقہ میں ابن ہبیرہ ان حالات میں تنہا نہیں ہیں، بلکہ کافی تعداد ایسے وزراء کی پائی جاتی ہے، کم از کم سلطان صلاح الدین کے وزیر یا تدبیر قاضی فاضل سے کون ناواقف ہے، ابن عماد نے شذرات میں ان کے متعلق لکھا ہے:

كان نزهاً عفيفاً نظيفاً	بڑے پاکباز، پارسا اور باصفا بزرگ تھے۔
قليل اللذّات، كثير الحسنات	لذتوں کا حصہ ان کی زندگی میں بہت کم تھا۔
دائم التهجد ملازم القرآن	نیکیوں اور بھلائیوں کی ان کے ہاں کثرت تھی
والاشتغال بعلوم الادب	تہجد کے پابند اور قرآن کے ساتھ دائمی وابستگی
(ص ۳۲۵ ج ۴)	رکھتے تھے نیز ادبی علوم میں مشغول رہتے تھے۔

مالی حالت یہ تھی کہ علاوہ وزارتِ عظمٰی کی تنخواہ کے ہندوستان اور مغرب میں وسیع پیمانہ پر ان کا تجارتی کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ جاگیریں الگ تھیں۔ صرف ایک گاؤں ترنجہ نامی سے ابن عماد نے لکھا ہے کہ بارہ ہزار اشرفی آمدنی ہوتی تھی، مگر اس تمام آمدنی میں قاضی فاضل کا اپنا حصہ کتنا تھا۔؟

یہی ابنِ عماد لکھتے ہیں:

كان لباسه لا يساوي دينارين۔	دو اشرفی بھی ان کے لباس کی قیمت نہ ہوتی تھی۔

سواری جب نکلتی تو ایک غلام کے سوا کوئی ساتھ نہ ہوتا، بکثرت قبرستان جاتے، جنازوں کے ساتھ چلتے اور مریضوں کے گھر جا کر عیادت کرتے۔

(بشکریہ الفرقان لکھنؤ تیسرا انتخاب نمبر)